قسط (۲)

مولانا سعید الرحمٰن ندوی، ناظم،
فرقانیہ اکیڈمی ٹرسٹ بنگلور، بھارت

قرآن عظیم اور نظام کائنات

عالم طبیعی کی غیر معمولی وسعت اور خارجی زمینوں کی کثرت پر جدید اعجازی قرآنی بصائر

اب رہا پہلا قول تو قدیم زمانے کی ساری کائنات آسمان میں صرف سادھی آنکھ کو نظر آنے والے مٹھی بھر ستاروں کے مختلف مجموعوں (constellations) میں بٹی ہوئی تھی، جو آج بھی برج ہی کے نام سے موسوم ہیں، جیسے برج اسد، برج عقرب، برج ثور، برج حوت وغیرہ وغیرہ۔ یاد رہے کہ یہ کل مجموعے موجودہ فلکیات کی رو سے ہمارے آسمان میں دریافت شدہ ایک کھرب کہکشاؤں میں سے صرف ہماری ایک کہکشاں ہی کا رمق بھر حصہ بھی نہیں ہیں۔ یہ خطہ اس قدر حقیر اور بے وقعت ہے کہ اگر سابقہ منطق ہی کو برقرار رکھ کر موجودہ صرف ایک کہکشاں کو انہیں خطوط پر تقسیم کر دیا جائے تو اس میں ٹھیک اسی طرح کے لاکھوں مزید خطے بھی ثابت ہو جائیں گے۔ اس طرح نہ صرف ہماری ساری کائنات بلکہ خود ہماری ساری کہکشاں بھی ہمارے آنکھوں سے تقریباً اوجھل ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آسمان کی سابقہ برجوں والی تقسیم حقیقت سے کوسوں دور محض ظن وتخمین پر مبنی قدیم یونانی فلسفے کی پیداوار تھی، جس کا کتاب وسنت سے ذرہ برابر بھی واسطہ نہیں۔ مگر اُس غیر علمی دور میں برجوں سے مراد ستاروں کے ان مجموعوں کا لیا جانا بالکل فطری واضطراری بھی تھا۔ اور آج چونکہ علمی ومشاہداتی طور پر یہ ثابت ہو چکا ہے کہ اس کائنات کی بنیادی تقسیم مٹھی بھر ستاروں کے ان قدیم مجموعوں سے نہیں بلکہ حقیقتاً ان دیوہیکل جھرمٹوں سے ہوئی ہے جنہیں موجودہ زبان میں کہکشاں کہا جاتا ہے، اور چاند اور سورج بھی پہلے انہیں کا جز بن کر پھر آسمان کا حصہ بنتے ہیں تو برج کے قدیم معنے میں وسعت دے کر ان سے کہکشاں مراد لئے جانے میں شرعاً کوئی چیز مانع ہے اور نہ ہی عقلاً۔ اور اس لفظ کی مذکورۂ بالا اصل اور اس کے حقیقی معنے کی تحقیق سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ یہی توجیہ قرین عقل اور اقرب الی الصواب ہے۔ آج یہی کہکشائیں ہیں جو اس کائنات کی عملی اکائیاں (functional units) ہیں۔ ان میں سے ہر ایک ایک علاحدہ نام سے موسوم، ایک خاص ہیئت کی مالک اور ہم سے ایک مخصوص مسافت اور ایک معین طول البلد وعرض البلد پر واقع ہے۔ یہاں تک کہ ان کے دیگر طبیعی خصائص کو بھی انواع واقسام کی دوربینوں کی مدد سے نہایت تفصیلی طور پر قلمبند کیا جا چکا ہے۔ اور آج بازار میں آسانی سے دستیاب صرف ایک متوسط قسم کی بصری دوربین ہی کی مدد سے ہم میں سے ہر کوئی بھی ان کا راست مشاہدہ

کرسکتا اور ان کی حقیقی تصاویر تک کھینچ سکتا ہے۔ اس طرح اس مفہوم پر حس ومشاہدے کی بھی گواہی حاصل ہوجاتی ہے۔ اس لحاظ سے برج کا سابقہ محدود مفہوم عصر جدید میں علمی وفلکیاتی ترقی کی وجہ سے بے پناہ وسعت اختیار کر جاتا ہے۔ اور اگر اس کے اس وسیع اور تجربے ومشاہدے پر مبنی حقیقی مفہوم کے بجائے اس کے سابقہ ظنی وقیاسی مفہوم ہی پر اعتماد کیا جائے تو اس کے باعث موجودہ کائنات میں لاکھوں گناہ مزید برج ثابت ہوجائیں گے، کیونکہ موجودہ صرف ایک ہی کہکشاں اس قدر جسیم ہوتی ہے کہ اس میں سابقہ لاکھوں برج سما جاتے ہیں۔

اب ملاحظہ ہو کہ اس آیت میں موجودہ کائنات کی ان بیشمار کہکشاؤں کے لئے ﴿سِرٰجٌ﴾ اور ﴿قَمَرٌ﴾ بطور صیغہء واحد لائے گئے ہیں، جب کہ فلکیات کی رو سے ثابت ہو چکا ہے کہ ہر کہکشاں میں کھربوں سورج ہوتے ہیں، اور صرف ہماری ایک کہکشاں کے ہمارے موجودہ ایک سورج یعنی نظام شمسی میں اب تک درجنوں چاند دریافت ہو چکے ہیں، جن میں سے کچھ کا مشاہدہ آپ اور ہم ایک نہایت معمولی سی دوربین کی مدد سے بھی کر سکتے ہیں۔ اور تو اور خود آیت کی لفظی ترکیب سے بھی لازم آتا ہے کہ ہر کہکشاں میں کم ازکم ایک سورج اور ایک چاند ہوں۔ کیونکہ سورج اور چاند اگر صرف ایک ایک ہی ہوتے تو وہ کسی ایک ہی کہکشاں میں ہوتے، اور ''کہکشاؤں میں سورج اور چاند'' کی ترکیب ہی بے معنی ہوجاتی۔ چنانچہ اس کا بہت ہی واضح مطلب یہ ہوا کہ یہاں یہ دونوں الفاظ بھی بطور اسم جنس ہی مستعمل ہوئے ہیں۔ ملحوظ رہے کہ قرآن مجید میں بغیر ''الف لام'' اسم جنس کے دلالتاً استعمال کی مثالیں اور بھی ہیں۔ مثلاً آل عمران: ۵۰ میں ﴿اٰیَۃٌ﴾، اعراف: ۷۸ میں ﴿دَارٌ﴾، یس: ۳۳ میں ﴿حَبٌّ﴾ وغیرہ کے استعمالات۔ نیز قرائے کوفہ کے مطابق ﴿سِرٰجٌ﴾ کی ایک قرأت بصیغہء جمع ''سُرُجٌ'' بھی منقول ہوئی ہے۔ علاوہ ازیں خصوصاً اس موقع سے ''الف لام'' کے استعمال سے قطعاً احتراز کئے جانے میں پنہاں ایک نہایت گہری حکمت الٰہی کو ہم اگلے شمارے کے ذریعے ظاہر کریں گے، جس سے بخوبی مستنبط ہوگا کہ یہ بلیغ اور معنی خیز تعبیر قصداً ہی اختیار کی گئی ہے۔

لہٰذا اگر اس آیت کو موجودہ دریافت شدہ تقریباً ایک کھرب کہکشاؤں کے تناظر میں دیکھا جائے تو اس سے لازم آتا ہے کہ اس کائنات میں ہر کہکشاں کے لئے ایک ایک کے حساب سے کم ازکم ایک کھرب سورج اور ایک کھرب چاند ہوں، اور زیادہ کی کوئی تحدید نہیں۔ ان میں سے صرف سورجوں کا عدد وہ بھی بالکل درست ہے جو ان ایک کھرب کہکشاؤں کو ان میں سے ہر ایک میں موجود کھربوں ستاروں سے ضرب دینے سے حاصل ہوتا ہے، جس کی عینی شہادت خود جدید فلکیات بھی نہایت صدق وامانت سے دے رہی ہے۔ چنانچہ اب اس پس منظر میں جو بات سب سے زیادہ غور طلب ہے وہ یہ کہ اس کائنات میں جب کم ازکم ایک کھرب چاند ہوسکتے ہیں تو آخر اس میں زمینوں کی تعداد کتنی ہوگی؟ کیونکہ جدید فلکیات کی رو سے جہاں چاند موجود ہو وہاں زمین کا وجود بھی لازمی وواجبی طور پر ثابت ہوجاتا ہے۔ سیارے (planet) کے بغیر ذیلی سیارے (satellite) کا وجود ناممکن ہوتا ہے۔ بالفاظ دیگر زمین کے بغیر چاند کا کوئی

تصور ہی نہیں، جیسا کہ خود ہمارا چاند ہماری زمین کا محتاج ہے، اور جیسا کہ ہم اپنے نظام شمسی کے دیگر چاندوں کا مشاہدہ بھی راست طور پر خود اپنی آنکھوں سے کر رہے ہیں کہ وہ سب کے سب کسی نہ کسی زمین ہی کے گرد گھوم رہے ہیں۔ چاند کو چاند اسی لئے کہتے ہیں کیونکہ وہ کسی زمین ہی کے اردگرد گھومتا ہے۔ لہذا اس منطق کی رو سے موجودہ کائنات میں زمینیں بھی کم از کم ایک کھرب لازم ہوگئیں!! چنانچہ اس سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ پچھلے دونوں ہی شمارات میں بطور اسم جنس واقع ہونے والی زمینوں کے آسمان کی ہر کہکشاں میں بھی اثبات ہی کی خاطر موجودہ تعبیر کو عمداً اختیار کرتے ہوئے یہاں بھی ان کا تعلق اسی نوع سے ہونے پر زور دار استدلال کیا جارہا ہے۔

اس کائنات میں زمینوں کی صحیح تعداد کا تخمینہ اس امر سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ صرف ہماری ایک کہکشاں کے ایک متوسط ستارے یعنی ہمارے سورج کے گرد و پیش کم از کم ۸ زمینیں اور ان زمینوں کے اطراف واکناف پانچ درجن سے بھی زائد چاند گردش کر رہے ہیں۔ علاوہ ازیں خود اسی کہکشاں کے صرف ہمارے قرب وجوار میں اب تک زمینوں سے لدے مزید ۷۰ نظامہائے شمسی بھی دریافت ہو چکے ہیں۔ خیال رہے کہ خصوصیت کے ساتھ زمینوں کی تلاش وجستجو میں اب تک ہماری مخصوص دوربینوں کا جولان گاہ بننے والا ہمارا یہ پڑوس ہماری زمین سے ہر جانب کوئی ڈھائی سو نوری سالہ وسیع رقبے ہی پر محیط ہے، جو کہ ایک لاکھ نوری سال قطر کے رقبے پر پھیلی ہوئی ہماری کہکشاں کا ایک لاکھویں حصے سے بھی کئی گناہ کم ہے۔ اس وقت یہ بھی ملحوظ رہے کہ فلکیات کا یہ دعوی بالکل بھی نہیں ہے کہ ہمارے اس پڑوس میں صرف اتنے ہی نظامہائے شمسی موجود ہیں۔ بلکہ اس کا ماننا ہے کہ اب تک یہ صرف اسی قدر اس کے قابو میں آسکے ہیں۔ اور خود انہیں نظامہائے شمسی کی ایک امید افزا حقیقت یہ بھی ہے کہ اب تک ان کی جو بھی زمینیں ہماری گرفت میں آسکی ہیں وہ ساری کی ساری صرف وہ ہیں جو ہماری زمین سے سیکڑوں گناہ ضخیم ہمارے مشتری جیسی یا ان سے بھی کئی گناہ بڑی ہیں، اور ان کی اور امکانی طور پر دیگر نظامہائے شمسی کی نسبتاً چھوٹی زمینیں ابھی تک ہم سے مخفی ہی ہیں۔ بالفاظ دیگر ان نظامہائے شمسی کے مشتری اور زحل تو دریافت ہوگئے مگر ابھی ان کے زہرہ، زمین اور مریخوں کو کھوج نکالنا باقی ہے۔ لہذا اگر موجودہ دوربینوں کو مزید طاقتور بنایا جائے یا علوم وفنون میں ترقی کی بدولت موجودہ دوربینوں سے بھی کوئی اعلی وارفع ٹیکنالوجی دریافت ہوجائے تو کوئی وجہ نہیں کہ ہمارے صرف اسی پڑوس کی زمینوں کی موجودہ تعداد میں غیر معمولی اضافہ ہوجائے، اور اس کہکشاں کے طول وعرض میں بھی اسی لحاظ سے مزید زمینیں ثابت ہوجائیں۔ غور کیا جاسکتا ہے کہ اگر صرف ایک معمولی کہکشاں اور اس کی موجودہ اور ممکنہ زمینوں کا یہ حال ہے تو موجودہ کائنات کی تقریباً ایک کھرب دیگر کہکشاؤں میں ان کا کیا عالم ہوگا۔ مگر اسوقت یہ بالکل ہی الگ بات ہے کہ یہ زمینیں ہمارے نظام شمسی کے عطارد، زہرہ، زمین اور مریخ جیسی چٹانی (rocky) ہوں جو ہمارے حالیہ علم وعقل اور منطق کے مطابق قابل بود و باش ہوسکتی ہوں یا مشتری، زحل، یورینس اور نیپچون جیسی گیس سے بنی (gaseous) اور ناقابل رہائش۔

اب اس آیت کریمہ کی اعجازی نوعیت کا صحیح اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ صرف ایک ضمیر کے اپنے حقیقی مرجع کی جانب لوٹائے جانے سے وہ کس قدر عظیم معانی ومعارف کو جنم دینے والی ہوجاتی ہے۔ چنانچہ اس سے مترشح ہوتا ہے کہ قرآن مجید نے کائنات میں زمینوں کی زبردست عددی کثرت کو ظاہر کرنے ہی کی خاطر موجودہ مبہم تعبیر کا قصداً استعمال کیا ہے۔ نیز اس سے یہ بھی مستنبط ہوتا ہے کہ قرآن حکیم کسی گہری حکمت ومنصوبہ بندی کے تحت زمینوں کے تعدد کا ذکر راست طور پر نہ کرتے ہوئے ان کے اثبات پر ایسے بلیغ اشارات اور علمی دلائل اپنے اندر رکھتا ہے، یا ان کے تذکرے میں ایسے الفاظ وترکیبات اور تعبیرات کا استعمال کرتا ہے جو صحیح وقت ہی پر پوری طرح عیاں ہوسکیں۔ مثلاً اسی آیت کریمہ میں کہکشاؤں میں زمینوں کے وجود کی خبر راست طور پر اور واضح الفاظ میں نہ دے کر اس پر دلالت کرنے کیلئے یہ بلیغ اشارہ رکھ دیا گیا کہ ان میں چاند ہوتے ہیں۔ یعنی سورج اور چاند کا تذکرہ واضح الفاظ میں کرتے ہوئے زمین کو جو کہ واجبی ولابدی طور پر ان دونوں کی درمیانی کڑی ہوتی ہے اعجازی طور پر محذوف ومقدر کردیا گیا، تاکہ انسانی علم میں ترقی کے بعد ہی انکا ظہور ہوسکے۔ ذہن نشین رہے کہ سابقہ ادوار میں چاندوں کے تعدد کا تصور تو درکنار انسان خود اس حقیقت سے بھی پوری طرح ناآشنا تھا کہ صرف ہمارے چاند کا وجود بھی ہماری زمین کے وجود ہی کا مرہون منت ہے۔ چنانچہ ہم اس حکمت الٰہی کو اگلے ابواب کے ذریعے ظاہر کرنے کی کوشش کریں گے۔ نیز ﴿بُرُوْجٍ﴾ سے مراد لئے گئے ہمارے موجودہ مفہوم کو مزید مضبوط ومستحکم کرنے والا ایک نہایت طاقتور ربانی ارشاد اور بھی ہے، جس پر مفصل کلام ہم تیسرے باب میں کریں گے۔

مزید برآں کہکشاؤں میں بطور اسم جنس ﴿سِرٰجًا﴾ (سورج) کے وجود کی حالیہ قرآنی تصریح ہمارے لئے ایک اور آفاقی علمی حقیقت اور نہایت گہری بصیرت کی بھی حامل ہے۔ لہٰذا اس سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ یہ سارے ستارے جنہیں کتاب الٰہی الگ الگ مناسبتوں سے ﴿نُجُوْمٌ﴾، ﴿كَوَاكِبُ﴾، ﴿مَصَابِيْحُ﴾ وغیرہ اسماء سے موسوم کرتی ہے وہ سب کے سب اپنی اپنی جگہ کے سورج ہی ہوتے ہیں، اور جن کا ایک خطیر حصہ زمینوں کو بھی اپنی آغوش میں لئے ہوئے رواں دواں ہوتا ہے۔ جیسا کہ اوپر گزر چکا خود جدید فلکیات بھی اس قرآنی انکشاف پر اپنی مہر تصدیق پوری طرح ثبت کرچکی ہے۔

اس وقت خصوصیت کے ساتھ ملحوظ خاطر رہے کہ قرآن مجید کے مطابق اب تک ثابت شدہ ساری کہکشائیں اور سارے چاند، سورج اور زمینیں صرف ہمارے دنیوی ایک آسمان ہی کا حصہ ہیں، جیسا کہ ارشاد باری ہے:

﴿إِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ الْكَوَاكِبِ﴾ (صافات:۶)

ترجمہ: بیشک ہم نے قریبی آسمان کو ستاروں کی زینت سے آراستہ کیا ہے۔

چنانچہ جب ساری کہکشائیں اور ان میں موجود کل ستارے اور سیارے ہمارے عینی وعلمی مشاہدے میں

آنے والے موجودہ صرف دنیوی آسمان ہی کا حصہ ہیں تو اس کا واضح مطلب یہ ہوا کہ بقیہ چھ آسمان اس سے پرے اور ہم سے اوجھل ہیں۔ لہذا اس حقیقت کو بھی کتاب الٰہی ان الفاظ میں ادا کرتی ہے: ﴿الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا...﴾ (ملک:۳) ترجمہ: وہ جس نے سات آسمانوں کو طبق در طبق (یعنی ایک کے اوپر ایک) پیدا کیا ہے۔

اب ظاہر ہے کہ جب ساتوں آسمان طبق در طبق ایک کے اوپر ایک بنائے گئے ہیں تو ان میں سے صرف پہلا آسمان ہی ہمیں نظر آئے، اور دیگر چھ آسمان ہم سے مخفی رہیں۔ چنانچہ ہم ان بقیہ آسمانوں کی حقیقت و ماہیت پر بھی اگلے پانچ شمارات کے ذریعے روشنی ڈالیں گے، جس سے ہمارا موجودہ استدلال بھی مضبوط سے مضبوط تر ہوتا چلا جائے گا:

۴- ﴿اَلَمْ تَرَوْا کَیْفَ خَلَقَ اللّٰہُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا. وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِیْھِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا﴾ (نوح:۱۵-۱۶) ترجمہ: کیا تم نے مشاہدہ نہیں کیا کہ اللہ نے کس طرح سات آسمان طبق در طبق پیدا کئے ہیں، اور ان میں چاندوں کو نور اور سورجوں کو چراغ بنایا ہے؟

الفاظ قرآنی سے بالکل عیاں ہے کہ پچھلے شمارے میں سورجوں اور چاندوں کے تعلق سے جس حقیقت کا اظہار صرف ہمارے دنیوی ایک آسمان کے سیاق میں کیا گیا تھا موجودہ شمارے میں ٹھیک اسی صداقت کا بیان ایک کے اوپر ایک طبق در طبق قائم ساتوں آسمانوں کے تناظر میں بھی کیا جا رہا ہے، کیونکہ پچھلے شمارے میں پہلے آسمان کی مختلف کہکشاؤں کے لئے ﴿قَمَرٌ﴾ اور ﴿سِرَاجٌ﴾ جس اعجازی انداز میں بصیغہ واحد لائے گئے تھے ٹھیک اسی طرز پر موجودہ شمارے میں انہیں ساتوں آسمانوں کے لئے بھی مفرد طور ہی پر لایا گیا ہے۔ نیز ان دونوں الفاظ پر داخل ''الف لام'' سے ظاہر ہے کہ یہاں ان کا استعمال بطور اسم جنس ہی ہوا ہے۔ لہذا غور کیا جا سکتا ہے کہ پچھلے شمارے میں ہماری جانب سے ''الف لام'' کے بغیر ہی انہیں اسم جنس میں شمار کیا جانا کس قدر حقیقت پر مبنی تھا۔ اب اس کا مطلب یہ ہوا کہ سورجوں اور چاندوں کا وجود ہمارے دنیوی آسمان ہی کے مانند دیگر چھ آسمانوں میں بھی ہے! مگر غور کا مقام ہے کہ یہاں سابقہ شمارے ہی کی طرح ایک اور مرتبہ ان آسمانوں میں بھی زمینوں کے وجود کے صریح بیان سے شدید طور پر گریز کیا گیا ہے۔ اس شدت کا اندازہ اس امر سے بھی کیا جا سکتا ہے کہ ان آسمانوں میں واجبی طور پر ثابت ہونے والی کم از کم خود ہماری موجودہ زمین کو بھی محذوف و مقدر کر دیا گیا ہے۔ البتہ اس ظاہری حذف پر دلالت کرنے کے لئے سابق ہی کی طرح ایک اور مرتبہ یہاں بھی یہ بلیغ اور نہایت معنی خیز اشارہ رکھ دیا گیا کہ ان میں چاند ہوتے ہیں۔ لہذا جب ساتوں آسمانوں میں چاندوں کا وقوع بطور اسم جنس ہو رہا ہے تو ان کے وجود سے ہر جگہ لازمی و واجبی طور پر ثابت ہونے والی زمینیں بھی اسم جنس ہی ٹھہرتی ہیں۔

اس طرح اگر موجودہ آسمان کے علاوہ بقیہ چھ آسمانوں میں بھی زمینیں ثابت ہو رہی ہیں تو اب یہ سوال رہ جاتا ہے کہ آخر وہاں ان زمینوں کی تعداد کتنی ہوگی۔ لہذا ساتوں آسمانوں میں زمینوں کے وجود کی خبر دینے کے لئے

یہاں لائی گئی مشترکہ تعبیر سے پتہ چل رہا ہے کہ ان میں سے ہر ایک آسمان میں بھی ان کی تعداد میں اتحاد و اشتراک پایا جاتا ہے۔ اب جب کہ پچھلے شمارے کے تحت ان آسمانوں میں سے صرف ہمارے پہلے آسمان میں کم از کم ایک کھرب زمینیں ثابت ہو چکی ہیں تو بقیہ ہر آسمان میں بھی ان کی اسی قدر تعداد خود بخود ثابت ہو جاتی ہے! اس طرح اب بالکل عیاں ہے کہ جب پچھلے اور موجودہ دونوں ہی شمارات میں ﴿سِرَاجٌ﴾ اور ﴿قَمَرٌ﴾ اسم جنس ہی واقع ہو رہے ہیں تو آخر اس پر دلالت کرنے کے لئے پچھلے شمارے کے برعکس صرف موجودہ شمارے ہی میں ان پر ''الف لام'' کیوں داخل کیا گیا ہے۔ درحقیقت اس اختلاف تعبیر سے یہ معنی خیز فائدہ پہنچانا مقصود ہے کہ استغراق کے ساتھ سارے ہی سورج اور چاند صرف پہلے ہی آسمان میں موجود نہیں ہیں۔ بلکہ ساتوں آسمانوں میں موجود کل سورجوں اور چاندوں کی نسبت وہ بعض ہی ہیں۔ چنانچہ ''الف لام'' کا دخول جز کے مقابلے صرف کل ہی پر کیا گیا ہے۔ اس طرح موجودہ شمارے میں ان پر داخل ''الف لام'' بیک وقت جنس اور استغراق دونوں پر بھی دلالت کرنے والا ہے۔ ہم اس حکیمانہ تعبیر کی ایک اور مثال اگلے شمارے میں بھی پیش کریں گے، جس سے ہماری مراد میں مزید مضبوطی آسکے گی۔ لہٰذا اس سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ موجودہ اور پچھلے دونوں شمارات باہم ایک دوسرے کے ابہام کی توضیح و تشریح کرنے والے ہیں۔ اگر سابقہ شمارے میں ﴿قَمَرٌ﴾ اور ﴿سِرَاجٌ﴾ کی جنسیت کے تعلق سے رہے سہے ابہام کو بھی موجودہ شمارے نے دور کر دیا ہے تو خود موجودہ شمارے میں ساتوں آسمانوں میں زمینوں کی صحیح تعداد کا پتہ سابقہ شمارے ہی کے ذریعے چل سکا ہے۔ اب چوتھے باب میں ہم موجودہ شمارے کی آیات پر خود ان کے سیاق و سباق سے بھی روشنی ڈالیں گے، جس سے ان کا اعجازی پہلو مزید نمایاں ہو کر ہماری مراد اور زیادہ مضبوط و مستحکم ہو جائے گی۔

اس وقت یہ حقیقت بھی پیش نظر رہے کہ یہاں بیان کردہ ﴿أَلَمْ تَرَوْا﴾ (کیا تم نے مشاہدہ نہیں کیا؟) سے کسی بھی طرح لازم نہیں آتا ہے کہ یہ ساتوں آسمان ہماری رویت بصری میں بھی ہوں، کیونکہ اس لفظ کا اطلاق یکساں طور پر رویت علمی پر بھی ہوتا ہے، اور یہاں وہی مراد بھی ہے۔ کیونکہ جیسا کہ ہم ابھی اسی باب میں کچھ ہی آگے ثابت کریں گے کہ ان بقیہ آسمانوں پر بھی جدید انسان مسلسل علمی و عقلی دلائل و شواہد مرتب کرتا جا رہا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید ہمارے موجودہ استدلال کو تقویت پہنچاتے ہوئے ایک اور جگہ ساتوں آسمانوں میں بھی زمینوں کے وجود کا ایک نہایت جامع بیان اس طرح کرتا ہے:

۵- ﴿قُلْ أَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُونَ بِالَّذِي خَلَقَ الْأَرْضَ فِي يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُونَ لَهُ أَنْدَادًا، ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ. وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَا أَقْوَاتَهَا فِيْ أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ، سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ. ثُمَّ اسْتَوٰى إِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْأَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا، قَالَتَآ أَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ. فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ وَأَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ أَمْرَهَا، وَزَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا

بِمَصَابِيحَ، وَحِفْظًا، ذٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ﴾ (حم سجدہ: ۹-۱۲)

ترجمہ: کہئے کہ کیا تم اُس ذات کا انکار کرتے ہو جس نے زمینوں کو دو دن میں پیدا کیا اور تم اس کے شریک ٹھہراتے ہو، وہی سارے عالموں کا رب ہے۔ اس نے چار دن میں ان زمینوں میں اوپر سے پہاڑ بنائے، ان میں برکت بھی دی اور ان کی غذاؤں کا اندازہ بھی کیا ہے، (یہ جواب) پوچھنے والوں کے لئے پورا ہے۔ پھر وہ آسمانوں کی جانب متوجہ ہوا جب کہ وہ دھویں کی حالت میں تھے، پھر آسمانوں اور زمینوں سے کہا کہ تم دونوں خوشی سے آؤ یا کراہت سے، دونوں نے کہا ہم بخوشی ہی آتے ہیں۔ پھر اس نے انہیں (یعنی زمینوں کو) دو دن میں ساتوں آسمانوں میں درست کر دیا، اور ہر آسمان میں اس کے امر کی وحی فرمائی، اور ہم نے قریبی آسمان کو بھی کچھ چراغوں سے آراستہ کیا ہے، اور حفاظت کی خاطر بھی، یہ ہے ہمہ قوت اور ہمہ علم ذات کا اندازہ۔

چار اور دو کل چھ دن کی تخلیق کے بیان سے ظاہر ہے کہ یہاں ساتوں آسمان اور ان میں موجود دیگر تمام اجرام کس طرح منصۂ وجود پر آئے اسے قدرے تفصیل سے بیان کیا جا رہا ہے، کیونکہ باریٔ تعالیٰ نے جس کے پیدا کرنے میں پورے چھ دن لگائے ہیں وہ کل مظاہر فطرت ہیں۔ لہٰذا اس سے مستنبط ہوتا ہے کہ پچھلے شمارات کے نقش قدم پر یہاں بھی صرف ہماری ایک زمین نہیں بلکہ بطور اسم جنس کائنات کی ساری ہی زمینوں کی خلقت کا بیان ہو رہا ہے۔ اس نقطہ نظر کو جلا بخشنے والی ہماری دوسری عقلی اور انتہائی اہم دلیل یہ ہے کہ باریٔ تعالیٰ کو جب ساتوں آسمانوں کے پیدا کرنے میں کل چھ دن لگے ہوں تو ان میں سے دو تہائی یعنی پورے چار دن اکیلی ایک زمین کے پیدا کرنے میں کس طرح لگ سکتے ہیں؟ ذہن نشین رہے کہ ہماری زمین اپنے کل مادے کے اعتبار سے موجودہ کائنات کی بنسبت کسی بھی شمار میں نہیں آسکتی ہے، بلکہ اس کا تناسب بالکل نہیں کے برابر ہی ہے۔ کیونکہ اگر اس کے سارے مادے کا تناسب تنہا اپنے سورج کے مادے ہی سے نکالا جائے تو بھی وہ اس سے تقریباً تیرہ لاکھ گناہ کم ہوتا ہے۔ خود ہمارے نظام شمسی ہی میں دیگر آٹھ سیارے ہیں جن میں سے چار کا حجم اس سے بھی ۱۵ تا ۳۱۸ گناہ بڑا ہے۔ اور ہمارے سورج کا حجم اپنی کہکشاں کے حجم سے کوئی چار کھرب گناہ کم ہے۔ اسی طرح ہماری کہکشاں کا حجم ہمارے آسمان میں اب تک دریافت شدہ کہکشاؤں کے حجم سے کم از کم ایک کھرب گناہ کم ہے۔ ایک تخمینے کے مطابق اگر ہمارے سمندروں میں موجود ساری ریت کے دانوں کو صرف اسی ایک آسمان کا مادہ تصور کر لیا جائے تو اس کی بنسبت ہماری زمین کے مادے کی مقدار بتانے کے لئے ریت کا ایک دانہ بھی دسیوں لاکھ گناہ بڑا ہو جائیگا!! یہ ہوئی مادے کی ناقابل تصور عظیم اور حواس باختہ حقیقت۔ اب اگر اس کل مادے میں خلائے آسمانی کو بھی جوڑ کر ان دونوں کا تناسب نکالا جائے تو اس کائنات میں ہر ۶ء۷ مکعب میٹر (cubic meter) خلا کے مقابلے صرف ایک ہیڈروجن ایٹم کی مقدار برابر مادہ رہ جاتا ہے، جس سے خلائے آسمانی کی بیکراں وسعتوں کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اور اس پر مستزاد دیگر چھ آسمانوں اور ان میں موجود اجرام کا

مادہ بھی۔لہذا اس کا واضح مطلب یہ ہوا کہ زمینوں کو بھی اس کائناتی مادے کے اعتبار سے لاتعداد ہونا چاہئے۔

مگر کائنات کے اس عظیم الجثہ مادے اور اس کی لامحدود وسعتوں پر قیاس کرتے ہوئے خود زمینوں کی اس بے انتہا کثرت پر استدلال کرتے وقت یہ حقیقت بھی مدنظر رہے کہ زمینوں کا وجود اپنے آپ میں آزاد اور خود مختار نہیں ہوتا ہے۔ کیونکہ ان کا وجود ان کے اپنے محور و مراکز سورجوں کے وجود پر موقوف ہوتا ہے، اور خود سورجوں کا وجود اپنی کہکشاؤں کے وجود پر، کہکشاؤں کا وجود خود اپنے مجموعوں (galactic clusters) کے وجود پر اور کہکشانی مجموعوں کا وجود ممکنہ طور پر ان کے اپنے اعلیٰ وارفع مجموعوں (super clusters) کے وجود پر وغیرہ وغیرہ۔اس طرح سارے ہی اجرام سماوی ایک دوسرے سے جڑ کر خود اپنے وجود کے لئے دوسروں کے وجود پر منحصر ہوتے ہیں۔اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ بغیر کسی ظاہری سہارے کے خلا میں ایک ہمہ گیر قانون تجاذب (universal law of gravitation) کے تحت ایک دوسرے کو تھامے ہوئے محو گردش ہوتے ہیں، جسے قرآن حکیم نہایت بلیغ تعبیر کے ذریعے اور ایک آفاقی علمی وسائنسی حقیقت کے روپ میں ''نظر نہ آنے والے ستون'' قرار دیتا ہے:

﴿خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا...﴾ (لقمان:۱۰)

ترجمہ:اس نے آسمانوں کی تخلیق تمہیں نظر نہ آنے والے ستونوں سے کی ہے۔

یہاں نحوی ترکیب کے اعتبار سے ﴿تَرَوْنَهَا﴾ جملہ فعلیہ ہے اور ﴿عَمَدٍ﴾ کی صفت واقع ہورہا ہے۔خود اکثر متقدمین کے نزدیک بھی اس ترکیب کا احتمال ضرور موجود ہے۔چنانچہ اس آیت کریمہ کے معنے یہ ہوئے کہ اجرام سماوی کے ستون تو ضرور موجود ہیں، جو انہیں آپس میں ٹکرانے یا گرنے سے نہایت مضبوطی سے تھامے ہوئے ہیں، مگر ان کی ساخت و پرداخت کی نوعیت ایسی ہے کہ وہ ہماری نظروں سے اوجھل ہیں۔لہذا یہ اس قدر طاقتور اور غیر مرئی ستون جدید سائنس کے دریافت شدہ اور ناقابل تردید طور پر ثابت کردہ ہمہ گیر قانون تجاذب کے علاوہ اور کیا ہو سکتے ہیں!

چنانچہ اس استدلال کی رو سے ان چاردنوں کی تخلیق میں نہ صرف ساتوں آسمانوں کی ساری زمینوں اور ان کے مراکز سورجوں بلکہ ان سے اس ہمہ گیر قانون تجاذب کے ذریعے جڑے کل اجرام سماوی کی بھی خلقت لازم آجاتی ہے۔مگر ذکر میں تفرد کی وجہ سے کائنات میں مرکزی ورئیسی حیثیت زمینوں ہی کو حاصل ہوتی ہے، اور ان کا اثر ونفوذ ساتوں آسمانوں کے ہر ہر خطے میں بھی ثابت ہوجاتا ہے۔اس طرح اگر پچھلے شمارے میں لفظی صراحت کے بغیر ہی ساتوں آسمانوں میں صرف تابع چاندوں کے وجود سے ان کی متبوع زمینوں کے بھی لازمی وجود پر استدلال کیا گیا تھا تو موجودہ شمارے کی پہلی آیت میں وہاں زمینوں کے وجود سے خود ان کے متبوع سورجوں کے بھی واجبی وجود پر دلیل قائم کی جارہی ہے۔ چنانچہ زمینوں کے وجود سے سورجوں کے وجود پر استدلال کرنے کا ایک اور مرتبہ بہت ہی واضح اور نہایت دوررس مطلب یہ ہوا کہ کائنات میں اول الذکر کی نوعیت مرکزی وبنیادی اور آخر الذکر کی حیثیت ثانوی واضافی

ہوتی ہے۔ یعنی سورجوں کو حقیقی طور پر زمینوں اور ان میں بسی مخلوقات کا تابع ومنقاد ہی بنا کر پیدا کیا گیا ہے۔ زمینیں اگر چہ ظاہری اعتبار سے سورجوں کے ماتحت رہ کر ان کے اطراف محوگردش رہتی ہیں مگر حقیقتاً آخر الذکر ہی اول الذکر اور ان میں بسی مخلوق کی ضروریات کی تکمیل میں لگے ہوئے ہمہ وقت انکے خدمت گار بنے رہتے ہیں، جیسا کہ ارشاد باری ہے: ﴿وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ...﴾ (نحل:۱۲)

ترجمہ: اللہ نے شب وروز کو، سورج کو اور چاند کو تمہارے ہی تابع کیا ہے۔

لہذا سورج جب انسان کا تابع وخادم بنا کر پیدا کیا گیا ہے تو وہ بدرجہ اتم ان کے مستقر زمین کا بھی ٹھہرتا ہے، جیسا کہ آج یہ حقیقت ہمارے تجربے ومشاہدے میں بھی علم الیقین کی حد تک آچکی ہے۔ اس طرح خادم سورجوں کا وجود مخدوم زمینوں کے وجود کے بغیر مہمل اور بے معنی ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ساتوں آسمانوں میں جہاں جہاں اور جس قدر بھی سورج موجود ہوں اصولی اور عمومی طور پر وہاں اسی قدر زمینیں بھی ثابت ہو جاتی ہیں!! اس طرح ان دونوں تصریحات کے ذریعے انسان کے عمومی علم ومشاہدے میں آنے والی کائنات کی جلی صداقتوں یعنی سورجوں کو بنیاد بنا کر عام طور پر اس سے مخفی ومجہول رکھی گئی اس کی خفی صداقتوں یعنی ان کی متعلقہ زمینوں کے وجود پر استدلال کیا جارہا ہے۔ بالفاظ دیگر آج ہمیں ان حقائق کی بنیاد پر جنہیں سائنس دریافت کرسکتی ہے ایسے حقائق سے بھی مطلع کیا جارہا ہے جو عموماً اس کے دائرے عمل سے باہر ہیں۔

زمینوں کی کثرت پر ہمارے ان علمی وعقلی دلائل کی نقلی وشرعی تائید خود اسی پہلی آیت کا آخری فقرہ ﴿ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ بھی ہے، جس کے ذریعے زمینوں کی پیدائش کے تذکرے کے فوری بعد باریٔ تعالیٰ اپنا تعارف نہایت بلیغ اور جامع ترین الفاظ میں ''سارے عالموں یعنی ساری کائنات کے پروردگار'' کے طور پر کراتا ہے۔ چنانچہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ﴿رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ کا استعمال ﴿الَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ﴾ کے بدل ہی کے طور پر کیا گیا ہے۔ یعنی یہاں زمینوں کی تخلیق سے مراد ہی باہم ایک دوسرے کے سہارے قائم کل اجرام سماوی کی تخلیق لی جارہی ہے۔ اب ﴿الْعٰلَمِيْنَ﴾ سے مراد ساری کائنات ہونے پر مفصل ومدلل گفتگو ہم آگے کریں گے۔ لہذا اس تفصیل سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہاں بھی ﴿الْاَرْضَ﴾ کا استعمال بطور اسم جنس ہی ہوا ہے۔

اس سلسلے کے دیگر دلائل خود اسی شمارے کی اگلی آیات اس طرح فراہم کررہی ہیں کہ باریٔ تعالیٰ زمینوں کی تخلیق (یاد رہے کہ ہم یہاں تفہیم میں آسانی کی خاطر ابھی ابھی ان زمینوں کے وجود سے واجبی طور پر ثابت ہونے والے دیگر اجرام سماوی کو قصداً خاطر میں نہیں لے آرہے ہیں) کے بعد آسمانوں کی جانب متوجہ ہوا، جو اس وقت دھویں کی شکل میں تھے۔ ملحوظ رہے کہ یہاں جس طرح ﴿الْاَرْضَ﴾ اسم جنس واقع ہورہی ہے ٹھیک اسی طرح اور اسے مؤکد کرنے ہی کے لئے ﴿السَّمَآءُ﴾ کا استعمال بھی اسی معنے ہی میں ہورہا ہے۔ اسی لئے ان دونوں اجناس کو بصیغہ تثنیہ

﴿ائْتِيَا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا﴾ کہا جارہا ہے۔ پھر ملاحظہ ہو کہ کل زمینوں اور کل آسمانوں پر بصیغہ واحد اور بطور اسم جنس جاری موجودہ گفتگو کو اب ﴿فَقَضَاهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ﴾ کے ذریعے اچانک اور اعجازی طور پر تبدیل کرتے ہوئے ان دونوں اجناس میں سے ہر ایک کو بصیغہ جمع علاحدہ کرتے ہوئے ﴿الْأَرْضُ﴾ کو ﴿فَقَضَاهُنَّ﴾ اور ﴿السَّمَاءُ﴾ کو ﴿سَبْعَ سَمٰوٰتٍ﴾ کے ذریعے ظاہر کیا جارہا ہے۔ اس طرح یہاں ضمیر جمع مؤنث غائب کا قریبی مرجع ﴿الْأَرْضُ﴾ ہی ٹھہرتی ہے۔ چنانچہ اس اعجازی فقرے کا حقیقی مطلب یہ ہوا کہ جب ساتوں آسمان اور ساری زمینیں حکم الٰہی کی بجا آوری کرتے ہوئے بخوشی اس کے حضور میں جمع ہوگئے تو اس نے ان ساری زمینوں کو دو دن میں ساتوں آسمانوں میں درست واستوار کردیا۔ اب غور کیا جاسکتا ہے کہ زمین اگر ایک ہی ہوتی تو یہ ساتوں آسمانوں میں کس طرح ہوتی؟ واضح رہے کہ خود صاحب تفسیر کبیر امام رازیؒ نے بھی یہاں ساری ہی زمینیں مراد لی ہیں۔

نیز یہاں ساتوں آسمانوں میں صرف زمینوں کی تخلیق کے ذکر پر اکتفا کرتے ہوئے ان کے مراکز سورجوں کی بھی جس واجبی تخلیق کی لفظی صراحت کو اب تک محذوف ومقدر رکھا گیا تھا اب اسے اچانک اس شمارے کے بالکل آخر میں ﴿وَزَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ﴾ (اور ہم نے قریبی آسمان کو بھی کچھ چراغوں سے آراستہ کیا ہے) کے ذریعے نہایت معنی خیز انداز میں ظاہر کرتے ہوئے یہ سبق دیا جارہا ہے کہ یہاں شروع ہی سے کلام کائنات کی کل زمینوں اور ان کے متعلقہ سورجوں کے تناظر میں ہورہا ہے۔ اس طرح اس تعلق سے اوپر بیان کردہ ہمارے علمی وعقلی دلائل عین مطابق نقل وشرع ٹھہر جاتے ہیں۔ نیز اس وقت تعبیر کا یہ حکیمانہ فرق بھی ملحوظ رہے کہ ابتدائے شمارہ میں اگر ساتوں آسمانوں میں سورجوں کو مقدر کرتے ہوئے صرف ان کی ماتحت زمینوں کا تذکرہ کیا گیا تھا تو اب اس کے برعکس آخر میں موجودہ فقرے کے ذریعے ہمارے پہلے آسمان میں صرف سورجوں کا ذکر کرتے ہوئے پہلے ہی سے ثابت شدہ زمینوں کو مقدر کردیا گیا ہے۔ لہٰذا اس کا واضح مطلب یہ ہوا کہ قرآن حکیم جس طرح صرف چاندوں کے وجود سے ان کے مراکز زمینوں کے یقینی وجود پر دلیل قائم کرتا ہے ٹھیک اسی طرح کبھی صرف سورجوں کے ذکر سے ان کی متعلقہ زمینیں بھی مراد لیتا ہے، اور کبھی محض زمینوں کے بیان سے ان کے مراکز سورجوں کے بھی مراد ہونے پر دلیل قائم کرتا ہے۔

مزید برآں یہاں ﴿مَصَابِيحَ﴾ پر دوبارہ غور کیا جائے جو ''الف لام'' کے بغیر بطور نکرہ واقع ہو کر خبر دے رہا ہے کہ دنیوی آسمان میں موجود سورجوں کی تعداد میں استغراق مقصود نہیں ہے۔ چنانچہ یہاں جس قدر بھی سورج موجود ہیں وہ کل نہیں ہیں۔ یاد رہے کہ شمارہ نمبر ۳ میں بھی ﴿سِرَاجٌ﴾ اور ﴿قَمَرٌ﴾ کو اسی طرح نکرہ کے طور پر لا کر ٹھیک یہی سبق دیا جاچکا ہے۔ جبکہ شمارہ نمبر ۴ کے تحت انہیں ''الف لام'' کیساتھ بطور معرفہ دوہرا کر یہ فائدہ پہنچایا گیا تھا کہ استغراق کے ساتھ کل سورجوں، چاندوں اور زمینوں کا وجود ساتوں آسمانوں میں ہے۔ اسی لئے سارے آسمانوں میں پھیلائی گئی ان بے شمار زمینوں کی تخلیق میں پنہاں باریٔ تعالیٰ کی اس عظیم حکمت ومصلحت اور بے نظیر منصوبہ بندی کا اظہار ﴿ذٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ﴾ (یہ ہے ہمہ قوت اور ہمہ علم ذات کا اندازہ) کے ذریعے کیا جارہا ہے۔ (جاری ہے)